Policy Research Journal
ISSN (E): 3006-7030 ISSN (P) : 3006-7022 Volume 3, Issue 11, 2025

مسلمانوں کے عروج وزوال میں عدل وانصاف کا کردار: اسلامی تاریخ کی روشنی میں ایک تجزیاتی مطالعہ

Salah Ud Din[*1], Muzammil Nawaz[2], Dr Wajid Ali[3]

[*1,2]M.Phil. Scholar Department of Islamic Studies The Superior University Lahore, Pakistan
[3]Assistant Professor Department of Islamic Studies The Superior University Lahore, Pakistan

[*1]faizisalahudin@gmail.com, [2]malikmuzammilnawazkohawar@gmail.com, [3]wajidasadi@gmail.com

DOI:https://doi.org/10.5281/zenodo.21700933

Keywords
Islamic Jurisprudence, Civilizational Decline, Judicial Independence, Social Justice, Rule of Law, Political History, Institutional Reform.

Article History
Received: 07 September 2025
Accepted: 17 November 2025
Published: 30 November 2025

Copyright @Author
Corresponding Author: *
Salah Ud Din

Abstract

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ

"*Indeed, Allah commands you to render trusts to whom they are due and when you judge between people to judge with justice*[1] *".*

Rooted in this divine mandate, the dispensation of absolute justice formed the very spiritual and structural bedrock of the Prophetic mission. The early Islamic state did not rely merely on material prowess to ascend the heights of global civilization. It thrived on a rigid, uncompromising commitment to social, economic, and legal equity. Historical epochs, from the Rashidun Caliphate to the golden ages of Andalusia and the Ottoman Empire, demonstrate a recurring pattern. Whenever rulers submitted themselves to the supremacy of the law and eradicated class-based privileges, Muslim societies witnessed unparalleled stability and moral prestige.

Yet, the trajectory of Islamic history also offers a profound cautionary tale. The eventual decay of these great empires was rarely triggered by external military conquests alone. Internal moral rot set the stage for civilizational collapse. Despotic monarchs gradually compromised judicial independence. Nepotism replaced merit. Courts became instruments of political vengeance rather than sanctuaries for the oppressed. The Qur'an warns of this exact sociopolitical decay:

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ [2].

"And your Lord would not destroy the cities unjustly while their people are reformers "

Contemporary Muslim nations now face a mirroring crisis of profound institutional paralysis. Dysfunctional legal frameworks, systemic corruption, and entrenched elitism have deeply fractured the social contract. Reclaiming the lost civilizational glory requires more than superficial administrative shifts. It demands an urgent, comprehensive return to the Islamic paradigm of impartial accountability. Reviving independent judicial bodies, dismantling discriminatory legal privileges, and embedding God-consciousness into statecraft remain the only viable paths toward a resurrected, resilient Muslim ummah.

تعارف

کائنات کا پورا وجود ایک نہایت حساس اور کامل توازن پر استوار ہے۔ یہ توازن منشائے الٰہی کے اس قاعدے کا مظہر ہے جسے اسلامی اصطلاح میں 'عدل' کہا جاتا ہے۔ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو پرامن اور مربوط رکھنے کے لیے بھی اسی عدل کی پاسداری کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید نے عدل کو کوئی ثانوی اخلاقی صفت نہیں سمجھا، بلکہ اسے انبیائے کرام کی بعثت کا سب سے بڑا اور حتمی مقصد قرار دیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا واضح ارشاد ہے:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ

ترجمہ: بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (ترازو) نازل کی تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم رہیں۔[3]

لغتِ عرب کے مشہور عالم ابن منظور افریقی اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عدل ظلم کی ضد ہے، اور اس سے مراد وہ کیفیت ہے جو انسانی نفوس میں استقامت اور اعتدال پیدا کرے[4]۔ کائنات کی ہر شے کو اس کے درست اور جائز مقام پر رکھنا ہی عدل کا حقیقی مفہوم ہے۔ فارسی کے عظیم صوفی شاعر جلال الدین ابو محمد رومی نے اپنی مثنوی میں عدل اور ظلم کے درمیان فرق کو ایک نہایت خوبصورت اور عام فہم تمثیل سے واضح کیا ہے:

عدل چبود؟ آب دہ اشجار را

ظلم چبود؟ آب دادن خار را

ترجمہ: عدل کیا ہے؟ پھل دار درخت کو پانی دینا۔ اور ظلم کیا ہے؟ کانٹے دار جھاڑی کو پانی دینا۔[5]

کسی بھی تہذیب یا معاشرے کے عروج کا دارومدار اس کے نظامِ قضا اور انصاف کی شفافیت پر ہوتا ہے۔ جب معاشرے میں طاقتور اور کمزور کے درمیان امتیازی سلوک ختم ہو جاتا ہے، تو وہ قومیں دنیا کی امامت کے منصب پر فائز ہو جاتی ہیں۔ معروف محقق اور فقیہ امام تقی الدین احمد ابن تیمیہ نے ریاستی استحکام کے حوالے سے ایک نہایت بلیغ اصول بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ عادل ریاست کو قائم اور باقی رکھتا ہے چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، اور ظلم کرنے والی ریاست کو مٹا دیتا ہے چاہے وہ مسلمانوں کی ریاست ہو[6]۔ تاریخ کا بے رحم دھارا اس بات کا گواہ ہے کہ جب تک مسلمانوں نے عدل کے اس کائناتی پیمانے کو تھامے رکھا، وہ دنیا میں ناقابلِ تسخیر رہے، اور جب انہوں نے انصاف کا خون کیا تو زوال کی تاریک وادیوں میں گر گئے۔

سیرتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور عہدِ راشدہ میں قانون کی بالادستی

قرآن کریم نے عدل کے جن آفاقی تصورات کی نظریاتی نشان دہی کی، ان کا کامل ترین عملی خاکہ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔ مدینہ منورہ کی ریاست کا قیام ایک ایسے معاشرے کی تشکیل تھی جہاں خاندانی اور قبائلی عصبیتوں کو کچل کر قانون کی حکمرانی کا اصول وضع کیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح کر دیا کہ ریاست کی نظر میں تمام انسان برابر ہیں اور کوئی شخص اپنے سماجی یا مالی مرتبے کی وجہ سے قانون کی گرفت سے نہیں بچ سکتا۔

قبیلہ بنو مخزوم کی ایک خاتون نے چوری کا ارتکاب کیا تو قریش کے بعض سرداروں نے چاہا کہ اسے سزا سے بچا لیا جائے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتہائی چہیتے صحابی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سفارش کے لیے بھیجا۔ اس موقع پر قانون کی یکساں عملداری کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو جلال دیکھنے میں آیا، وہ آج بھی نظامِ قضا کا درخشاں ترین باب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ، أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الحَدَّ، وَايْمُ اللَّهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا

ترجمہ: تم سے پہلی قومیں اس وجہ سے تباہ ہو گئیں کہ جب ان میں کوئی معزز شخص چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے، اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔[7]

یہ خطبہ ایک نئے سماجی معاہدے کا اعلان تھا جس نے مقتدر طبقات اور عوام کے درمیان تفریق کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ اسی بے لاگ عدل نے اسلاف کی وہ نسل تیار کی جس کے رعب سے بڑی بڑی سلطنتیں لرزتی تھیں۔ اردو کے مایہ ناز شاعر علامہ محمد اقبال نے اسی حق گوئی اور قانونِ الٰہی کی پاسداری کا نقشہ کچھ یوں کھینچا ہے:

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی[8]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس نظام کو وسیع تر ریاستی اور ادارہ جاتی شکل دی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلامی سلطنت کی سرحدیں دور دراز علاقوں تک پھیل گئیں۔ انہوں نے محسوس کیا کہ عدلیہ اور انتظامیہ کو ایک ہی شخص کے ہاتھ میں رکھنا انصاف کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔ آپ نے تاریخِ عالم میں پہلی بار عدلیہ کو انتظامیہ سے مکمل طور پر جدا کر دیا اور صوبوں میں خود مختار قاضی مقرر کیے۔ انہوں نے بصرہ کے قاضی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک تفصیلی مکتوب ارسال کیا جو آج بھی قانونی تاریخ کا ایک عظیم دستور مانا جاتا ہے۔ اس خط میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاضی کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا: "اپنی نگاہ، اپنی مجلس اور اپنے فیصلوں میں لوگوں کے درمیان برابری قائم کرو، تاکہ کوئی طاقتور تمہاری طرف داری کی طمع نہ رکھے اور کوئی کمزور تمہارے انصاف سے مایوس نہ ہو"[9]۔

انہی ٹھوس اصولوں کی بدولت وہ عظیم الشان دور آیا جب وقت کا خلیفہ بھی قاضی کی عدالت میں ایک عام مدعاعلیہ کی طرح پیش ہونے کا پابند تھا۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک قیمتی زرہ گم ہوگئی جو بعد ازاں کوفہ کے ایک یہودی کے پاس ملی۔ امیر المؤمنین ہونے کے باوجود آپ نے زبردستی وہ زرہ واپس نہیں لی، بلکہ قاضی شریح کی عدالت میں باقاعدہ مقدمہ دائر کیا۔ قاضی نے خلیفۂ وقت سے ثبوت طلب کیے۔ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور غلام قنبر کو گواہ کے طور پر پیش کیا۔ قاضی شریح نے بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور مقدمہ خلیفہ کے خلاف خارج کر دیا۔ وقت کا حکمران اپنا مقدمہ ہار گیا، لیکن اس نے عدالت کے فیصلے کو خوش دلی سے قبول کیا۔ یہ روح پرور اور بے نظیر عدل دیکھ کر وہ یہودی عدالت کے اندر ہی پکار اٹھا کہ یہ تو انبیاء کا انصاف ہے، اور اس نے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا[10]۔

یہ واقعات افسانے نہیں بلکہ وہ تاریخی حقائق ہیں جنہوں نے مسلم امہ کو اخلاقی اور تمدنی برتری کی اس بلندی پر پہنچایا جہاں مفتوحہ اقوام نے خود آگے بڑھ کر اسلامی عدل کو خوش آمدید کیا۔ جب تک ریاست کا ڈھانچہ اسی جواب دہی اور شفافیت پر کھڑا رہا، دنیا کی کوئی طاقت مسلمانوں کے عروج کا راستہ نہیں روک سکی۔

مسلم تہذیب کے عروج کا راز

ہسپانیہ کی سرزمین پر مسلمانوں کا داخلہ تاریخِ عالم کا ایک روشن باب ہے۔ طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر کی عسکری فتوحات سے بڑھ کر جس عنصر نے اندلس کے باشندوں کے دل جیتے، وہ اسلامی نظامِ عدل کی بے نظیر فراہمی تھی۔ عیسائی اور یہودی اقلیتوں نے گوتھ (Visigoth) حکمرانوں کے وحشت ناک جبر سے نجات پانے کے بعد محسوس کیا کہ قرطبہ اور طلیطلہ کی مساجد میں بیٹھنے والے قاضی ان کے حقوق کے حقیقی محافظ ہیں۔ قرآن مجید نے غیر مسلموں کے ساتھ حسنِ سلوک اور منصفانہ رویے کا جو اصول وضع کیا، مسلم فاتحین نے اسے اپنی ریاستی پالیسی کا محور بنالیا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمانِ مبارک ہے:

لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ

ترجمہ: اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔[11]

انہی قرآنی ہدایات کے سائے میں اندلس کا وہ معاشرہ پروان چڑھا جسے یورپی مؤرخین آج بھی رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ برطانوی مستشرق اور مؤرخ تھامس واکر آرنلڈ اندلس کے اس عادلانہ نظام کی تصویر کشی کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"This tolerance was not an incidental trait of the Islamic administration; it was an integral part of its religious and legal structure, ensuring justice and protection for the non-Muslim subjects".

ترجمہ: یہ رواداری اسلامی انتظامیہ کا کوئی اتفاقی پہلو نہیں تھی، یہ اس کے مذہبی اور قانونی ڈھانچے کا ایک لازمی حصہ تھی، جو غیر مسلم رعایا کے لیے عدل اور تحفظ کی ضمانت فراہم کرتی تھی۔[12]

عدل کی یہ فراہمی کسی خاص طبقے کے لیے مخصوص نہیں تھی۔ خلیفہ عبد الرحمن الناصر اندلس کے طاقتور ترین حکمرانوں میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے مدینۃ الزہراء کے محلات کی توسیع کے لیے کچھ یتیموں کی زمین پر تصرف کرنا چاہا۔ قاضی منذر بن سعید البلوطی نے خلیفہ کے اس اقدام کو غیر قانونی قرار دے کر مسترد کر دیا۔ قاضی نے برملا اعلان کیا کہ شریعت میں خلیفہ اور ایک عام یتیم کے حقوق برابر ہیں اور خلیفہ کی خواہش کو قانونِ الٰہی پر فوقیت نہیں دی جا سکتی[13]۔

دولتِ عثمانیہ کی توسیع اور بقا کے پیچھے بھی یہی عدالتی استحکام کارفرما تھا۔ عثمانی سلاطین نے 'قانون نامہ' متعارف کروایا جس نے شریعتِ اسلامی کی روشنی میں ریاستی نظم ونسق کو ایک باقاعدہ شکل دی۔ اقلیتوں کے لیے 'ملت سسٹم' قائم کیا گیا، جس کے تحت انہیں اپنے عائلی اور مذہبی تنازعات اپنے ہی قوانین کے تحت حل کرنے کی مکمل آزادی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واضح فرمان عثمانی قاضیوں کے پیشِ نظر رہتا تھا:

أَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا، أَوِ انْتَقَصَهُ، أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ، أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ، فَأَنَا حَجِيجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

ترجمہ: خبردار! جس نے کسی معاہد (غیر مسلم شہری) پر ظلم کیا، یا اس کا حق غصب کیا، یا اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالا، یا اس کی دلی رضامندی کے بغیر اس کی کوئی چیز لی، تو قیامت کے دن میں اس کی طرف سے جھگڑنے والا (وکیل) ہوں گا۔[14]

شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی نے بادشاہوں کے لیے عدل کی اس ناگزیریت اور ریاستی بقا کو اپنے اشعار میں نہایت خوبصورتی سے پرویا ہے:

نماند ستمگار بد روزگار

بماند بر او لعنتِ کردگار

ترجمہ: برے وقت کا ظالم حکمران ہمیشہ باقی نہیں رہتا، (البتہ) اس پر پروردگار کی لعنت ہمیشہ باقی رہتی ہے۔[15]

خلافت سے ملوکیت کا سفر اور نظامِ قضا پر استبدادی شب خون

مسلم معاشرے کا سیاسی اور عمرانی زوال اس وقت شروع ہوا جب اقتدار کی منتقلی کا شورائی اصول موروثی ملوکیت میں تبدیل ہو گیا۔ خلافتِ راشدہ کی بنیاد عوامی احتساب، قانون کی بالادستی اور مساوات پر رکھی گئی تھی۔ خلیفہ قوم کا امین اور خادم سمجھا جاتا تھا۔ ملوکیت نے حکمران کو ملک اور خزانے کا مطلق العنان مالک بنا دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں ہی اس سیاسی انحراف کی پیشگوئی فرما دی تھی:

الْخِلَافَةُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ مُلْكٌ بَعْدَ ذَلِكَ

ترجمہ: میری امت میں خلافت تیس سال تک رہے گی، پھر اس کے بعد ملوکیت (بادشاہت) آ جائے گی۔[16]

سید ابوالاعلیٰ مودودی اس تاریخی تغیر کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ مسندِ اقتدار کی عام تبدیلی نہیں تھی، یہ پورے نظامِ اقدار کا قتل تھا۔ خلیفہ جو پہلے قانونِ الٰہی کے سامنے جواب دہ تھا، ملوکیت کے دور میں وہ خود کو قانون سے بالاتر سمجھنے لگا[17]۔ اس خاندانی استبداد کا سب سے بھیانک نشانہ عدلیہ کا ادارہ بنا۔ اموی اور عباسی ادوار کے مقتدر حکمرانوں نے محسوس کیا کہ ان کی شاہ خرچیوں اور سیاسی مظالم کی راہ میں اگر کوئی دیوار حائل ہے تو وہ آزاد قاضیوں اور حق گو ائمہ کی ذات ہے۔ منصبِ قضا کو شاہی احکامات کا تابع بنانے کے لیے جید فقہاء پر دباؤ ڈالا گیا۔

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ کو عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور نے قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کرنے پر مجبور کیا۔ امام صاحب جانتے تھے کہ عدلیہ کی آزادی سلب ہو چکی ہے اور ان کے علم کو شاہی فیصلوں کے جواز کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ انہوں نے اس منصب کو ٹھکرا دیا، جس کی پاداش میں انہیں کوڑے مارے گئے اور قید خانے کی تاریک کوٹھری میں زہر دے کر شہید کر دیا گیا[18]۔

حق گوئی کی یہ سزا صرف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تک محدود نہیں رہی۔ امام دار الہجرہ مالک بن انس رحمہ اللہ کو اس وقت سرِ عام کوڑے مار کر ان کے بازو اکھاڑ دیے گئے جب انہوں نے زبردستی لی جانے والی سیاسی بیعت کے خلاف شریعت کا موقف بیان کیا۔ بعد ازاں، مسئلہ خلقِ قرآن کے فتنے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو خلیفہ المأمون اور المعتصم باللہ کے دربار میں بدترین اذیتیں دی گئیں۔ یہ انفرادی سزائیں نہیں تھیں، یہ عدل کی اس روح پر استبدادی شب خون تھا جس نے معاشرے کو اخلاقی اور فکری طور پر مفلوج کر کے رکھ دیا۔ فارسی کے عظیم شاعر ابوالقاسم فردوسی طوسی نے ظالم حکمرانوں کے انجام اور دنیا کے فانی ہونے پر کتنا سچا تبصرہ کیا ہے:

بیا تا جہان را بہ بد نسپریم
بہ کوشش ہمہ دستِ نیکی بریم
نباشد ہمی نیک و بد پایدار
ہماں بہ کہ نیکی بود یادگار

ترجمہ: آؤ! ہم دنیا کو برائی کے حوالے نہ کریں، اور اپنی پوری کوشش سے صرف نیکی کا دامن تھامیں۔ نیکی اور برائی دونوں نے ہمیشہ باقی نہیں رہنا، بہتر یہی ہے کہ نیکی ہی یادگار کے طور پر پیچھے رہ جائے۔[19]

زوالِ امت کے داخلی محرکات

مسلم تاریخ کے اوراق پلٹیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ سلطنتوں کا زوال اچانک پیش آنے والا کوئی عسکری حادثہ نہیں ہوتا۔ یہ دراصل ایک طویل داخلی بگاڑ کا حتمی نتیجہ ہوتا ہے۔ خلافتِ راشدہ کے بعد جب مسندِ اقتدار پر موروثی خاندانی حکمران قابض ہوئے تو میرٹ اور اہلیت کا جنازہ نکل گیا۔ ریاست کے اہم ترین مناصب، بشمول عدلیہ، اب علم اور تقویٰ کے بجائے شاہی خاندان سے قربت اور وفاداری کی بنیاد پر بانٹے جانے لگے۔

منصبِ قضا کی خرید و فروخت نے اسلامی نظامِ عدل کی بنیادوں کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا۔ مقتدر طبقات بھاری رقوم کے عوض اپنے نااہل اور مفاد پرست افراد کو قاضی کے عہدوں پر فائز کرواتے تھے۔ ان قاضیوں کا مقصد سائلین کو انصاف فراہم کرنا نہیں بلکہ اپنے خرچ کیے گئے سرمائے کو رشوت کے ذریعے وصول کرنا ہوتا تھا۔ قرآن کریم نے منصبِ قضا کو مال کمانے کا ذریعہ بنانے اور مقتدرہ کے حق میں جھوٹے فیصلے صادر کرنے کی نہایت سختی سے ممانعت فرمائی ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ

ترجمہ: اور اپنے درمیان ایک دوسرے کے مال ناحق طریقے سے نہ کھایا کرو اور نہ ہی انہیں حاکموں کے پاس (رشوت کے طور پر) پہنچایا کرو تاکہ تم لوگوں کے مال کا کوئی حصہ گناہ کے ذریعے کھا سکو جبکہ تم جانتے ہو۔[20]

قانونِ الٰہی کی اس صریح خلاف ورزی نے عدالتی نظام کو اشرافیہ کا آلہ کار بنا دیا۔ عظیم مفکر علامہ عبد الرحمن بن خلدون نے اپنی تصنیف میں اسی عمرانی بگاڑ کی نشاندہی کی ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ جب حکمران طبقہ عیش و عشرت کا شکار ہو کر رعایا کا معاشی استحصال شروع کر دیتا ہے تو معاشرے سے ہم آہنگی اور اعتماد کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے[21]۔ جب عدالتیں مظلوم کو انصاف دینے کے بجائے ظالم کو قانونی تحفظ فراہم کرنے لگیں تو معاشرہ اندرونی طور پر کھوکھلا ہو کر تباہی کے دہانے پر پہنچ جاتا ہے۔

اردو کے نامور شاعر فیض احمد فیض نے عدلیہ کے اسی اخلاقی زوال اور مظلوم کی بے بسی کو اپنے ایک شعر میں بڑی خوبصورتی سے پرویا ہے:

بنے ہیں اہلِ ہوس مدعی بھی، منصف بھی
کسے وکیل کریں، کس سے منصفی چاہیں[22]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اقربا پروری اور نااہل افراد کو ریاستی مناصب سونپنے کے عمل کو معاشرے کی موت قرار دیا تھا۔ جب تک مناسب اور اہل قیادت موجود نہ ہو، کوئی بھی تمدن اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں رہ سکتا۔ احادیثِ مبارکہ میں اس حوالے سے سخت وعید بیان کی گئی ہے:

إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ

ترجمہ: جب معاملات نااہل لوگوں کے سپرد کر دیے جائیں، تو پھر قیامت (تباہی) کا انتظار کرو۔[23]

دورِ حاضر کے مسلم معاشروں کا المیہ

دورِ حاضر کے مسلم ممالک پر نظر ڈالی جائے تو ان کی حالتِ زار تاریخ کے انہی تاریک ابواب کی عملی تفسیر معلوم ہوتی ہے۔ آج کے مسلم معاشرے ایک ایسے طبقاتی کینسر کا شکار ہیں جسے عام اصطلاح میں 'وی آئی پی (VIP) کلچر' کہا جاتا ہے۔ اس کلچر نے قانون کی حکمرانی کا تصور مکمل طور پر مسخ کر دیا ہے۔ غریب اور پسے ہوئے طبقے کے لیے قانون کی گرفت انتہائی سخت اور بے رحم ہے، جبکہ جاگیرداروں، بڑے صنعت کاروں اور ریاستی اہلکاروں کے لیے یہی قانون نرم اور لچکدار بن جاتا ہے۔

امریکی شہری حقوق کے عظیم رہنما مارٹن لوتھر کنگ جونیئر نے ناانصافی کے اس عالمی خطرے کو ایک نہایت جامع فقرے میں بیان کیا ہے:

"Injustice anywhere is a threat to justice everywhere".

ترجمہ: کسی بھی جگہ ہونے والی ناانصافی، ہر جگہ کے انصاف کے لیے ایک خطرہ ہے۔[24]

مسلم دنیا کے موجودہ عدالتی نظام انصاف فراہم کرنے کے بجائے 'انصاف کی منڈیاں' بن چکے ہیں۔ سائلین دہائیوں تک عدالتوں کے چکر کاٹتے ہیں اور ان کی نسلیں مقدمات کی پیروی میں اپنی جمع پونجی گنوا دیتی ہیں۔ تاخیری انصاف نے معاشرے میں انتقام، بے چینی اور مایوسی کے بیج بو دیے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی نے ریاست کی اسی بے حسی اور زندگی گزر جانے کے بعد ملنے والے انصاف یا اعزاز پر گہرا طنز کیا ہے:

عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہلِ وطن
یہ الگ بات کہ دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ[25]

عدالتی نظام کی اس زبوں حالی کی سب سے بڑی وجہ منصفین کا وہ رویہ ہے جو شریعتِ مطہرہ کے طے کردہ کڑے اخلاقی معیارات سے یکسر خالی ہے۔ قاضی کا منصب دنیاوی جاہ و جلال کے لیے نہیں بلکہ منشائے الٰہی کے نفاذ کے لیے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منصبِ قضا کی نزاکت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

الْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ: وَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ، وَاثْنَانِ فِي النَّارِ: فَأَمَّا الَّذِي فِي الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضَى بِهِ، وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضَى لِلنَّاسِ عَلَى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ، وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَمَالَ فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ

ترجمہ: قاضی تین طرح کے ہوتے ہیں: ایک جنت میں جائے گا اور دو جہنم میں۔ جنت میں جانے والا وہ شخص ہے جس نے حق کو پہچانا اور اسی کے مطابق فیصلہ کیا۔ وہ شخص جس نے علم نہ ہونے کے باوجود لوگوں کے فیصلے کیے، وہ جہنم میں ہے؛ اور وہ شخص جس نے حق کو پہچانا لیکن اپنے فیصلے میں ظلم (یا جانبداری) کی طرف مائل ہوا، وہ بھی جہنم میں ہے۔[26]

نو آبادیاتی استعماری قوانین اور انسانی حقوق کی پامالی

جدید مسلم ریاستوں کے قانونی ڈھانچے کی تشکیل میں استعماری دور کے متروک قوانین کا کردار انتہائی گہرا ہے۔ برطانوی اور فرانسیسی استعمار نے یہ قوانین مقامی آبادی کو انصاف فراہم کرنے کے لیے نہیں بلکہ انہیں اپنا مطیع اور غلام بنائے رکھنے کے لیے مرتب کیے تھے۔ آزادی حاصل کرنے کے عشروں بعد بھی مسلم بیوروکریسی اور عدلیہ انہی جابرانہ ضابطوں کے سائے میں کام کر رہی ہے۔ مقاصدِ شریعہ کا بنیادی ہدف انسان کی جان، مال، عقل، نسل اور دین کا تحفظ ہے، لیکن موجودہ ریاستی ڈھانچے ان تمام حقوق کو پامال کرنے میں مصروف ہیں۔

ریاستی جبر اور ماورائے عدالت قتل کا عفریت مسلم معاشروں کی بنیادیں ہلا رہا ہے۔ جبری گمشدگیوں اور لاپتہ افراد کے مسئلے نے ریاست کے آئینی اور اخلاقی وجود پر سوالیہ نشان کھڑے کر دیے ہیں۔ شہریوں کو بغیر کسی عدالتی کارروائی کے خفیہ عقوبت خانوں میں سالہا سال تک قید رکھنا، ان پر تشدد کرنا اور ان کے اہلِ خانہ کو تاریکی میں رکھنا قدرتِ خداوندی کو دعوتِ غضب دینے کے مترادف ہے۔ قرآن مجید نے انسانی جان کی حرمت کو اس قدر مقدم رکھا ہے کہ ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے:

مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا

ترجمہ: اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا، تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔[27]

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی حقوق کا جو عالمگیر منشور پیش کیا، اس میں ریاست اور افراد دونوں کو پابند کیا گیا کہ وہ ایک دوسرے کے بنیادی حقوق کی پاسداری کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ الفاظ آج بھی تاریخ کے ماتھے پر دمک رہے ہیں:

إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ

ترجمہ: بے شک تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں تم پر اسی طرح حرام (محترم) ہیں۔[28]

عدالتی نظام کی خاموشی اور مقتدر اداروں کی جانب سے ان آئینی و شرعی حدود سے انحراف نے عوام کو ریاست سے بیگانہ کر دیا ہے۔ جب ایک عام شہری کو یہ محسوس ہونے لگے کہ ریاست کا قانون اسے تحفظ فراہم کرنے کے بجائے اسے کچلنے کا آلہ بن چکا ہے، تو وہ مایوسی کے عالم میں قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہ بے اعتمادی معاشرے میں انتہا پسندی، بغاوت اور خونی تصادم کو جنم دیتی ہے۔ ریاستی ادارے اپنے استعماری خول سے نکل کر جب تک عوامی خدمت اور حقیقی اسلامی مساوات کا راستہ اختیار نہیں کریں گے، مسلم امہ کا یہ اندرونی خلفشار جاری رہے گا۔

عصر حاضر میں عدالتی بحران کے تدارک کے لیے اسلامی اصول و قوانین

مسلم دنیا کے مروجہ عدالتی نظام جن پیچیدگیوں، طوالت اور انتظامی رکاوٹوں کا شکار ہیں، ان کی جڑیں دراصل نو آبادیاتی دور کے ان استعماری قوانین میں پیوست ہیں جن کا بنیادی مقصد عوام کو انصاف فراہم کرنا نہیں بلکہ ان پر حکمرانی کے رعب کو مسلط رکھنا تھا۔ ان فرسودہ دیوانی اور فوجداری ضوابط کو جب تک شریعتِ اسلامیہ کے مقاصد کے تابع نہیں کیا جاتا، معاشرے میں حقیقی عدل کا قیام ایک خواب ہی رہے گا۔ مشہور اندلسی فقیہ امام ابو اسحاق الشاطبی شریعت کے بنیادی مقاصد پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شریعت کا ہر حکم انسان کے دین، جان، عقل، نسل اور مال کے تحفظ کا ضامن ہے[29]۔ جب رائج الوقت قوانین انسان کے ان بنیادی حقوق کے تحفظ میں ناکام ہو جائیں، تو ان کی شرعی تطہیر ریاست کی اولین ذمہ داری بن جاتی ہے۔ اس تطہیر کا آغاز عدالتی طریقہ کار کو سادہ، عام فہم اور تیز تر بنانے سے ہونا چاہیے۔

انصاف کی فراہمی میں طویل تاخیر بذاتِ خود ایک عظیم ظلم ہے۔ سائلین دہائیوں تک عدالتوں کے چکر کاٹتے ہیں اور مقدمات نسل در نسل منتقل ہوتے رہتے ہیں جس سے معاشرے میں مایوسی اور قانون شکنی جنم لیتی ہے۔ برطانوی مفکر اور سیاست دان ولیم گلیڈسٹون نے اس المیے کو ایک نہایت جامع فقرے میں یوں بیان کیا ہے:

"Justice delayed is justice denied".

ترجمہ: تاخیری انصاف دراصل انصاف کی نفی ہے۔[30]

اس بحران پر قابو پانے کے لیے اسلامی فقہ کا ادارہ 'صلح' اور 'تحکیم' سب سے مؤثر اور عملی متبادل فراہم کرتا ہے۔ معمولی خاندانی، کاروباری اور زمینی تنازعات کو عدالتوں کے طویل اور مہنگے چکروں سے بچانے کے لیے نچلی سطح پر مصالحتی بورڈز قائم کیے جانے چاہئیں۔ قرآنِ مجید نے معاشرتی تنازعات کو باہمی گفت و شنید اور درگزر کے ذریعے حل کرنے کی بھرپور ترغیب دی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالصُّلْحُ خَيْرٌ

ترجمہ: اور صلح ہر حال میں بہتر ہے۔[31]

ان مصالحتی عدالتوں کی سربراہی مقامی سطح پر دیانت دار اور باوقار شخصیات کے سپرد کی جانی چاہیے، اور ان کے فیصلوں کو باقاعدہ قانونی تحفظ حاصل ہونا چاہیے۔ اس عمل سے اعلیٰ عدالتوں پر مقدمات کا بوجھ انتہائی کم ہو جائے گا اور سائلین کا وقت اور سرمایہ دونوں محفوظ رہیں گے۔

عدالتی نظام کی شفافیت کو برقرار رکھنے کے لیے جدید ٹیکنالوجی کا استعمال وقت کی اہم ترین ضرورت بن چکا ہے۔ گواہوں کی خرید و فروخت، فائلوں کا گم ہو جانا اور عدالتی عملے کی رشوت ستانی نے انصاف کو ایک بکاؤ مال بنا دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدالتی فیصلوں میں مال و زر کی اس دراندازی پر سخت ترین الفاظ میں تنبیہ فرمائی ہے:

لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ فِي الْحُكْمِ

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلے (قضا) میں رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔[32]

ای-کورٹس آن لائن سماعتوں، اور ڈیجیٹل فائلنگ کے ذریعے سائلین اور عدالتی عملے کے درمیان براہِ راست رابطے کو ختم کر کے اس لعنت پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ اسلامی فقہ کے جلیل القدر عالم امام ابن قیم الجوزیہ اپنی تصنیف میں حقائق تک پہنچنے کے لیے محض روایتی گواہوں پر انحصار کرنے کے بجائے عقلی قرائن، فراست اور مادی شہادتوں کو استعمال کرنے کی پرزور حمایت کرتے ہیں[33]۔ جدید سائنسی شواہد جیسے ڈی این اے، فورینسک رپورٹس اور سی سی ٹی وی فوٹیجز کو اسلامی قانونِ شہادت کے تحت معتبر قرائنِ قاطعہ کے طور پر قبول کیا جانا چاہیے۔ جب تک روایتی عدالتی ڈھانچے کو جدید سائنسی اصولوں اور شریعت کی لچکدار روح کے ساتھ ہم آہنگ نہیں کیا جاتا، معاشرے کو سستے اور فوری انصاف کی فراہمی ممکن نہیں ہو سکتی۔

احتسابی اداروں کی تشکیلِ نو

عدلیہ کی آزادی اور قانون کی عملداری کا کوئی بھی دعویٰ اس وقت تک بے معنی رہتا ہے جب تک معاشرے کے طاقتور ترین اور مقتدر افراد کو قانون کے کٹہرے میں کھڑا کرنے والا ایک بے لاگ اور خود مختار احتسابی نظام موجود نہ ہو۔ اسلامی تاریخ میں جب بھی عام عدالتوں اور قاضیوں نے حکومتی وزراء، جرنیلوں اور شاہی خاندان کے افراد کے خلاف کارروائی کرنے میں کمزوری محسوس کی، تو ریاست نے ان بااثر مجرموں کا محاسبہ کرنے کے لیے 'دیوان المظالم' کا ادارہ قائم کیا۔ امام ابو الحسن الماوردی اس مقتدر عدالت کا دائرہ کار بیان

کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کا بنیادی مقصد حکام کی زیادتیوں کو روکنا، ٹیکس وصول کرنے والوں کے ظلم کا تدارک کرنا اور غصب شدہ جائیدادوں کو ان کے اصل مالکان تک واپس پہنچانا تھا[34]۔

موجودہ دور میں قائم کیے گئے انسدادِ بدعنوانی کے ادارے اور کمیشن اکثر اوقات حکمرانوں کے سیاسی مخالفین کو کچلنے کا آلہ کار بن کر رہ جاتے ہیں۔ ان اداروں کو صحیح معنوں میں فعال اور شفاف بنانے کے لیے انہیں انتظامیہ کے تسلط سے مکمل طور پر آزاد کر کے دیوان المظالم کی طرز پر تشکیل دینے کی ضرورت ہے۔ اس کا سربراہ ایک ایسا غیر متنازع اور صاحب کردار شخص ہونا چاہیے جس کا تقرر عدلیہ اور مقننہ کے مشترکہ اتفاقِ رائے سے ہو، اور اسے مملکت کے اعلیٰ ترین عہدیداروں سے بھی بازپرس کا قطعی اور آئینی اختیار حاصل ہو۔ شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال نے اقتدار کی اسی جواب دہی اور منشائے الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اِک وہی، باقی بتانِ آزری[35]

اس شفافیت اور احتساب کو عملی جامہ پہنانے کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قائم کردہ اصول 'من أین لک ھذا' (یہ مال تمہارے پاس کہاں سے آیا؟) آج کے دور کے لیے سب سے بہترین رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ امیر المؤمنین کسی بھی شخص کو گورنر یا ریاستی عہدیدار مقرر کرنے سے قبل اس کے تمام منقولہ اور غیر منقولہ اثاثوں کی فہرست تیار کرواتے تھے۔ دورانِ ملازمت اگر اس شخص کے اثاثوں میں اس کی جائز آمدنی سے زیادہ نمایاں اضافہ دیکھنے میں آتا، تو ریاست اس کا کڑا محاسبہ کرتی تھی۔ جب تک حکومتی عہدیدار اس اضافے کا جائز ثبوت فراہم نہیں کرتا تھا، اس کا مال ضبط کر کے بیت المال میں جمع کروا دیا جاتا تھا۔

منصب اور اختیار کو ذاتی مال و دولت اکٹھا کرنے کا ذریعہ بنانے کی ممانعت سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک نہایت اہم واقعے سے ثابت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ ازد کے ایک شخص ابن اللتبیہ کو صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ جب وہ واپس آیا تو اس نے کچھ مال الگ کر کے کہا کہ یہ ریاست کا مال ہے اور یہ وہ مال ہے جو مجھے لوگوں نے بطور تحفہ دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رویے پر سخت ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے منبر پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا:

مَا بَالُ الْعَامِلِ نَبْعَثُهُ فَيَجِيءُ فَيَقُولُ: هَذَا لَكُمْ وَهَذَا أُهْدِيَ إِلَيَّ، أَفَلَا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ وَأُمِّهِ فَيَنْظُرَ أَيُهْدَى إِلَيْهِ أَمْ لَا؟

ترجمہ: اس عامل کا کیا حال ہے جسے ہم کسی کام پر بھیجتے ہیں تو وہ آ کر کہتا ہے کہ یہ تمہارا ہے اور یہ مجھے تحفہ دیا گیا ہے؟ وہ اپنے باپ اور ماں کے گھر کیوں نہ بیٹھا رہا کہ دیکھتا کہ اسے تحفہ دیا جاتا ہے یا نہیں؟[36]

اس نبوی فرمان کی روشنی میں جدید ریاستوں کو چاہیے کہ وہ اثاثوں کی جانچ پڑتال کے لیے قانونِ بارِ ثبوت کو ملزم کی طرف منتقل کریں۔ اگر کسی سیاست دان، جج، بیوروکریٹ یا عسکری عہدیدار کا طرزِ زندگی اس کی ظاہری اور معلوم آمدن سے مطابقت نہیں رکھتا، تو یہ ثابت کرنے کی ذمہ داری ریاست کی نہیں بلکہ اس فرد کی ہونی چاہیے کہ اس نے یہ دولت جائز ذرائع سے حاصل کی ہے۔ احتساب کا یہ کڑا اور بے رحم نظام ہی معاشرے کو اس معاشی استحصال اور کرپشن سے پاک کر سکتا ہے جس نے آج کی مسلم دنیا کو عالمی سطح پر معاشی غلامی اور اخلاقی پستی میں دھکیل رکھا ہے۔ جب حکمران اور ریاستی کارندے خود کو قانون کے سامنے عام شہری کی طرح جواب دہ سمجھنے لگیں گے، تو معاشرے میں امن، اعتماد اور ترقی کا وہ سفر دوبارہ شروع ہو جائے گا جس کی بنیاد خلفائے راشدین نے رکھی تھی۔

نتائجِ بحث

زیرِ نظر مقالے میں کائنات کے تکوینی و تشریعی اصولوں، قرآنی تعلیمات اور اسلامی تاریخ کے عمیق تجزیاتی مطالعے کے بعد یہ حقائق روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئے ہیں کہ مسلمانوں کے عروج و زوال کا براہِ راست تعلق نظامِ عدل سے وابستہ ہے۔ اس جامع تحقیق کے نتیجے میں درج ذیل بنیادی نتائج سامنے آئے ہیں:

- مسلمانوں کا شاندار تاریخی عروج محض عسکری طاقت یا مادی وسائل کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ یہ معاشرے میں بلا تفریقِ رنگ، نسل اور مذہب خالص عدل و انصاف کے قیام کا ثمر تھا۔
- امتِ مسلمہ کا زوال کسی بیرونی حملے کا اچانک نتیجہ نہیں، بلکہ خاندانی ملوکیت، اقربا پروری اور مقتدر طبقات کی جانب سے قانون کی بالادستی کو پامال کرنے کا منطقی انجام تھا۔
- اسلام کا تصورِ عدل آفاقی ہے؛ تاریخ گواہ ہے کہ غیر مسلم اقلیتوں اور دشمنوں کے ساتھ بھی غیر متزلزل انصاف نے ہی مفتوحہ اقوام کو اسلامی ریاست کا وفادار بنایا۔
- ریاست کی بقا کے لیے عدلیہ کی آزادی ناگزیر ہے؛ جب تک خلفاء قاضی کی عدالت میں عام شہری کی طرح پیش ہوتے رہے، سلطنت مضبوط رہی، اور جب قضاء سیاسی دباؤ کا شکار ہوئی تو تمدن بکھر گیا۔
- معاشی عدل اور وسائل کی منصفانہ تقسیم کے بغیر معاشرتی امن ناممکن ہے؛ دولت کے چند ہاتھوں میں ارتکاز اور غریبوں کے استحصال نے مسلم معاشروں کو اندرونی طور پر کھوکھلا کر دیا۔
- تاریخ کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ کفر پر مبنی ریاست تو دنیا میں قائم رہ سکتی ہے، لیکن ظلم اور ناانصافی پر مبنی ریاست، خواہ وہ مسلمانوں ہی کی کیوں نہ ہو، زوال سے نہیں بچ سکتی۔

سفارشات و تجاویز

مسلم امہ کو موجودہ ہمہ گیر بحران سے نکالنے اور ایک مستحکم، خوشحال اور پرامن معاشرے کی تشکیل کے لیے اس تحقیق کی روشنی میں درج ذیل عملی اور تزویراتی سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

- موجودہ نوآبادیاتی اور پیچیدہ قوانین کو ختم کر کے ان کی جگہ ایسا سادہ، شفاف اور تیز ترین اسلامی عدالتی ڈھانچہ تشکیل دیا جائے جو ہر شہری کی پہنچ میں ہو۔
- عدلیہ کو انتظامیہ اور سیاسی مقتدرہ کے دباؤ سے مکمل طور پر آزاد کیا جائے اور ججوں کی تقرری محض علم، دیانت اور غیر متزلزل میرٹ کی بنیاد پر کی جائے۔
- ریاستی آئین سے ہر قسم کے استثنیٰ اور طبقاتی (VIP) کلچر کا خاتمہ کر کے حکمرانوں اور اعلیٰ عہدیداروں سمیت تمام شہریوں پر قانون کا یکساں اطلاق یقینی بنایا جائے۔
- احتساب کے عمل کو شفاف بنانے کے لیے 'دیوان المظالم' کی طرز پر ایک خود مختار ادارہ قائم کیا جائے جو بااثر شخصیات کے اثاثوں اور اختیارات کے ناجائز استعمال کی کڑی نگرانی کرے۔
- عدالتوں پر مقدمات کا بوجھ کم کرنے کے لیے مقامی سطح پر مصالحتی بورڈز قائم کیے جائیں جو خاندانی اور دیوانی تنازعات کو شریعت کے اصولِ صلح کے تحت حل کریں۔
- غریب اور پسماندہ طبقات کو فوری انصاف دلانے کے لیے ریاست کی سطح پر مفت قانونی امداد کا ایک وسیع اور مؤثر نیٹ ورک قائم کیا جائے۔
- عدالتی نظام میں رشوت اور کرپشن کے خاتمے کے لیے جدید ٹیکنالوجی (ای-کورٹس، ڈیجیٹل فائلنگ اور سائنسی شواہد) کا بھرپور استعمال کیا جائے تاکہ کارروائی میں شفافیت برقرار رہے۔
- جوڈیشل اکیڈمیوں کے نصاب میں جدید قوانین کے ساتھ ساتھ اسلامی آدابِ قضا اور اخلاقی تربیت کو لازمی قرار دیا جائے تاکہ ججوں میں جواب دہی کا حقیقی احساس بیدار ہو۔

حوالہ جات

[1] An Nisa, 4:58

[2] Hud, 11:117

[3] الحدید، 25:57

[4] ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، بیروت: دار صادر، 1414ھ، جلد 11، ص 430

[5] رومی، جلال الدین محمد، مثنوی معنوی، تہران: انتشاراتِ قفنوس، 2001ء، دفتر پنجم، ص 534

[6] ابن تیمیہ، تقی الدین احمد بن عبد الحلیم، مجموع الفتاویٰ، مدینہ منورہ: مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف، 1995ء، جلد 28، ص 63

[7] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ، کتاب احادیث الانبیاء، حدیث: 3475

[8] اقبال، محمد، بالِ جبریل، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1973ء، ص 112

[9] ابن قیم الجوزیہ، محمد بن ابی بکر، إعلام الموقعین عن رب العالمین، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1991ء، جلد 1، ص 67

[10] الاصبہانی، ابو نعیم احمد بن عبد اللہ، حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1989ء، جلد 4، ص 139

[11] الممتحنہ، 8:60

[12] Arnold, Thomas Walker, The Preaching of Islam: A History of the Propagation of the Muslim Faith, London: Constable & Company, 1913, 134

[13] المقری، احمد بن محمد، نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب، بیروت: دار صادر، 1968ء، جلد 1، ص 562

[14] السجستانی، سلیمان بن اشعث ابو داؤد، سنن ابی داؤد، بیروت: المکتبۃ العصریۃ، بے تاریخ، کتاب الخراج والامارۃ والفیٔ، حدیث: 3052

[15] شیرازی، مصلح الدین سعدی، بوستانِ سعدی، تہران: انتشاراتِ امیر کبیر، 1985ء، ص 89

[16] الترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، بیروت: دار الغرب الإسلامی، 1998ء، کتاب الفتن، حدیث: 2226

[17] مودودی، سید ابو الاعلیٰ، خلافت وملوکیت، لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 2000ء، ص 125

[18] الذہبی، شمس الدین محمد بن احمد، سیر اعلام النبلاء، بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1985ء، جلد 6، ص 390

[19] طوسی، ابو القاسم فردوسی، شاہنامہ، تہران: انتشاراتِ امیر کبیر، 1990ء، ص 412

[20] البقرۃ، 188:2

[21] ابن خلدون، عبدالرحمن بن محمد، مقدمہ ابن خلدون، بیروت: دار الفکر، 2001ء، ص286

[22] فیض، فیض احمد، نسخہ ہائے وفا، لاہور: مکتبہ کارواں، 1993ء، ص142

[23] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ، کتاب العلم، حدیث:59

[24] King Jr., Martin Luther, Letter from Birmingham Jail, New York: Harper Collins, 1963, 85

[25] قاسمی، احمد ندیم، محیط، لاہور: اساطیر پبلیکیشنز، 1998ء، ص85

[26] السجستانی، سلیمان بن اشعث ابو داؤد، سنن ابی داؤد، بیروت: المکتبۃ العصریۃ، بے تاریخ، کتاب الأقضیۃ، حدیث:3573

[27] المائدہ، 32:5

[28] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ، کتاب العلم، حدیث:67

[29] الشاطبی، ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات، الخبر: دار ابن عفان، 1997ء، جلد2، ص17

[30] Gladstone, William E., Speeches and Public Addresses, London: John Murray, 1894, 45

[31] النساء، 128:4

[32] السجستانی، سلیمان بن اشعث ابو داؤد، سنن ابی داؤد، صیدا: المکتبۃ العصریۃ، 1430ھ، کتاب الاقضیۃ، حدیث:3580

[33] ابن قیم الجوزیہ، محمد بن ابی بکر، الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ، مکہ مکرمہ: دار عالم الفوائد، 1428ھ، ص25

[34] الماوردی، علی بن محمد، الأحکام السلطانیۃ والولایات الدینیۃ، قاہرہ: دار الحدیث، 2006ء، ص115

[35] اقبال، محمد، ضربِ کلیم، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1973ء، ص45

[36] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ، کتاب الاحکام، حدیث:7174

IEER
Institute for Excellence in Education & Research